رسائل ومسائل

اعتکاف کے مسائل

اعتکاف میں مسجد کے وضو خانہ اور غسل خانہ میں جاکر وضو اور غسل کرنے کے مسئلہ پر عموماً سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ پر درج ذیل تحریر سید احمد عروج قادریؒ کے جوابات سے مرتب کی گئی ہے اور اس مسئلہ کے بارہ میں ان کی رائے سامنے لاتی ہے۔

۱۔ اعتکاف کی کتنی قسمیں ہیں ؟

فقہائے احناف نے اعتکاف کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) واجب (۲) سنت موکدہ (۳) نفل

(۱) واجب' وہ اعتکاف ہے جس کی نذر مانی گئی ہو۔ جائز نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ واجب اعتکاف کم سے کم ایک دن کا ہوتا ہے جس میں رات بھی شامل ہوتی ہے۔ اس اعتکاف میں روزہ رکھنا بھی ضروری ہے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے تین دن چھوڑ کر سال کے کسی بھی دن' بشمول رمضان' اعتکاف کی نذر مانی جاسکتی ہے۔

(۲) سنت موکدہ اعتکاف' رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکاف ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک ہمیشہ آخر عشرہ کا اعتکاف کرتے رہے۔

(۳) نفل اعتکاف کے لیے نہ روزہ کی شرط ہے' نہ کسی خاص دن کی' نہ مقررہ وقت کی۔ یہ ایک دن سے زیادہ بھی ہوسکتا ہے' کم بھی۔ پندرہ منٹ بلکہ اس سے بھی کم وقت کے لیے ہوسکتا ہے۔ یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کی جاسکتی ہے۔ لوگ یہ نیت کرتے بھی ہیں اور نیت کرنے والا جتنی دیر مسجد میں رہے' انشاء اللہ اس کو اعتکاف کا اجر ملے گا۔ رمضان کے مہینہ میں بھی دس دن سے کم کے لیے اعتکاف کیا جاسکتا ہے مگر وہ نفل اعتکاف ہوگا۔

۲۔ کیا بلا عذر مسجد سے باہر نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے ؟

جہاں تک فقہ حنفی کا تعلق ہے بلا عذر مسجد سے باہر نکلنے سے جو اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے وہ واجب اعتکاف ہے۔ علامہ ابن نجیم نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے :

فساد کا تصور نہیں ہوتا مگر واجب (اعتکاف) میں۔ (البحر الرائق)

واجب اعتکاف میں بھی پاخانہ' پیشاب اور نماز جمعہ کے لیے نکلنے کی اجازت ہے' چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

معتکف اعتکافِ واجب میں اپنے اعتکاف کی جگہ سے نہ رات کو نکلے گا اور نہ دن کو' مگر وہ پاخانہ' پیشاب اور جمعہ ادا کرنے کے لیے نکل سکتا ہے۔ (البدائع والصنائع)

بلا عذر کتنی دیر کے لیے مسجد سے باہر نکلنے سے واجب اعتکاف فاسد ہوتا ہے ؟ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف فاسد ہوجائے گا خواہ معتکف تھوڑی دیر کے لیے نکلا ہو' مگر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر معتکف بلا عذر آدھے دن سے زائد مسجد سے باہر رہے گا' تب اس کا واجب اعتکاف فاسد ہوگا' ورنہ نہیں۔ (بدائع)

۳۔ کیا وضو اور غسل واجب کے لیے مسجد سے باہر جانے کی اجازت ہے ؟

جس طرح رفعِ حاجت انسان کی ایک ضرورت ہے' اسی طرح طہارت حاصل کرنا بھی اس کی ایک ضرورت ہے' خواہ حدثِ اصغر سے ہو یا حدثِ اکبر سے۔ لہٰذا معتکف کو جس طرح پہلی ضرورت کے لیے مسجد سے باہر جانے کی اجازت ہوگی' اسی طرح دوسری ضرورت یعنی طہارت حاصل کرنے کے لیے بھی اس کو مسجد سے باہر جانے کی اجازت ہوگی۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ :

معتکف' مسجد سے باہر' طہارت سے فراغت کے بعد نہ رکے۔

اس عبارت میں "طہور" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس میں وضو اور غسلِ واجب دونوں شامل ہیں۔ عالمگیری میں بھی گھر میں وضو سے فراغت تک ٹھہرنے کی اجازت ہے۔ وضو کے بعد اگر وہ بلا عذر اپنے گھر ٹھہر جائے' تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا اعتکافِ واجب فاسد ہوجائے گا۔

یہ رائے صحیح نہیں ہے کہ معتکف کو مسجد کے اندر بیٹھ کر ہی وضو یا غسلِ واجب کرنا چاہیے۔ مسئلہ صرف اتنا ہے کہ معتکف اگر مسجد کے اندر وضو یا غسل کرسکتا ہو تو خاص طور پر اس کو اجازت ہے (نہ کہ لازم) بشرط یہ ہے کہ پانی مسجد میں نہ گرے اور وہ آلودہ نہ ہو۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے :

اگر معتکف کے لیے مسجد میں غسل کرنا ممکن ہو' اس کے بغیر کہ مسجد آلودہ ہو' تو کوئی

حرج نہیں۔ ورنہ وہ مسجد سے نکلے گا' غسل کرے گا' اور پھر مسجد واپس آئے گا۔

فقہ حنفی میں جو تصریحات ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں جو جگہ وضو کے لیے بنائی جاتی ہے' اس کا حکم بھی گویا مسجد کے ایک گوشہ کا ہی ہوتا ہے۔ مثلاً اذان گاہ ایسی ہو جس کا دروازہ مسجد سے باہر ہو تو معتکف اس اذان گاہ پر جاکر اذان دے سکتا ہے۔ علامہ کاسانی نے لکھا ہے کہ اذان گاہ بھی مسجد کے گوشوں میں سے ایک گوشہ ہے کیونکہ وہاں ہر وہ شے ممنوع ہے جو مسجد میں ممنوع ہے' اور اس کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ یہی بات وضو گاہ پر بھی صادق آتی ہے۔

۴۔ کیا رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف مسنون میں معتکف آٹھ دس منٹ کے لیے صفائی بدن یا نشاط طبیعت کے لیے اسی مسجد کے غسل خانہ میں غسل غیر واجب کرنے جاسکتا ہے؟

اس سلسلہ میں درج ذیل باتوں پر غور کرنا چاہیے۔

۱۔ رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف' اعتکاف واجب نہیں ہے۔

۲۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک آدھے دن سے کم وقت کے لیے بلا عذر مسجد سے باہر نکلنے سے واجب اعتکاف بھی فاسد نہیں ہوتا۔

۳۔ امام ابوحنیفہؒ نے بھی اعتکافِ واجب کے سلسلہ میں اپنی رائے میں "ساعۃ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس سے مراد یقیناً ۲۴ گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ تو نہیں' لیکن اب گھڑیوں کے منٹوں میں کوئی نہ کوئی مقدار تو متعین کرنی چاہیے۔ اب اگر بالفرض ۱۰ منٹ مقرر کیے جائیں اور کوئی آٹھ منٹ میں غسل غیر واجب کرکے مسجد میں واپس آجائے تو امام صاحبؒ کی رائے کے مطابق بھی اس کا اعتکافِ واجب فاسد نہیں ہوتا۔

فقہی تفصیلات پڑھ کر اس حقیر کی رائے یہ بنی ہے کہ رمضان کے اعتکافِ مسنون میں بھی بہتر یہی ہے کہ معتکف محض صفائی بدن کے غسل کے لیے مسجد سے باہر نہ نکلے۔ لیکن وہ تھوڑی دیر میں غسل کرکے مسجد میں واپس آجائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔

۵۔ کیا اعتکاف میں چند منٹ کے لیے اپنی تجارت کا حساب دیکھا جاسکتا ہے؟

جب مسجد میں معتکف کے لیے خرید و فروخت اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ سامانِ تجارت مسجد میں نہ لایا جائے تو اپنی تجارت کا حساب دیکھنا بھی جائز ہوگا۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ اعتکاف دنیوی کاروبار کی مشغولیت سے خالی ہو۔ اس لیے ایسا اس وقت کرنا چاہیے جب حساب دیکھنے والا کوئی معتمد علیہ شخص نہ ہو اور حساب نہ دیکھنے سے آئندہ کسی دشواری یا نقصان کا اندیشہ ہو۔

(مرتبہ: خرم مراد)

بیت المال

ایک دیرینہ رکن جماعت کی حیثیت سے ' میرے لیے یہ صورتِ حال سخت تشویش کا باعث ہورہی ہے کہ کچھ عرصہ سے جماعت ہی کے حلقوں میں عام طور پر یہ باتیں کہی اور سنی جا رہی ہیں کہ اب جماعت وہ جماعت نہیں رہی ' اور جماعتِ اسلامی میں دیانت و امانت کا وہ معیار جس کے ہمیشہ مخالفین بھی معترف رہے ہیں ' اب نہیں رہا۔ بیت المال کے استعمال میں امانت و دیانت نہیں ہو رہی اور جن مدات میں رقوم دی جاتی ہیں ' اپنی مرضی سے ان میں تصرف کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر پاسبان اور اس کے فنڈز کی فراہمی کے بارے میں کئی قسم کی باتیں جماعتی حلقوں میں گردش کر رہی ہیں۔ اس سے پہلے کبھی بھی اس قسم کی باتیں سننے میں نہیں آتی تھیں۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ براہِ کرم اس بارے میں وضاحت فرمائی جائے ' تاکہ ہم ذہنی انتشار سے بچ کر یکسوئی سے کام کر سکیں۔

انفرادی لغزشوں اور کوتاہیوں سے خالی ہونے کا دعویٰ تو کوئی جماعت بھی نہیں کر سکتی ' لیکن یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ جماعتِ اسلامی کے بیت المال میں رقوم کی آمد وصرف کا پورا نظام اور تمام معاملات آج بھی اسی طرح مکمل امانت و دیانت اور قواعد و ضوابط کے مطابق چلائے جا رہے ہیں ' جس طرح روزِ اوّل سے چلائے جاتے رہے ہیں۔ جو رقم بیت المال میں آتی ہے اس کی رسید کاٹی جاتی ہے اور اس کا اندراج ہوتا ہے۔ جو رقم خرچ ہوتی ہے اس کی رسید لی جاتی ہے ' اور اس کا بھی اندراج ہوتا ہے۔ تمام اخراجات اس بجٹ کے مطابق ہوتے ہیں جو مرکزی شوریٰ ہر سال اپنے سالانہ اجلاس میں منظور کرتی ہے۔ جماعت کے تحریکی ' سیاسی اور اجتماعی کام کی نوعیت کی وجہ سے جن اخراجات کا بجٹ سے باہر ہونا ناگزیر ہوتا ہے ' وہ بھی قواعد وضوابط کے مطابق ایک مقررہ کمیٹی اور امیر جماعتِ اسلامی کی منظوری سے ہوتے ہیں۔ آمد و خرچ کے مکمل حسابات رکھے جاتے ہیں اور مرکزی شوریٰ کا مقرر کردہ آڈیٹر ان حسابات کا ہر سال آڈٹ کرتا ہے۔ اس کی آڈٹ رپورٹ بھی مرکزی شوریٰ کے سامنے منظوری کے لیے پیش ہوتی ہے۔ گویا جماعت اپنی روایات کے مطابق جو طریقِ کار لے کر چلی ہے اس پر پوری طرح کاربند ہے۔ اس الزام کی کوئی حقیقت نہیں کہ جن مدات میں رقوم دی جاتی ہیں ' ان میں اپنی مرضی سے تصرف کیا جاتا ہے۔ جب رسید ایک متعین مد کی کاٹی جاتی ہے ' اور حساب کی کتابوں میں اندراج بھی اسی مد کے تحت ہوتا ہے ' تو اپنی مرضی سے تصرف کی بات

محض بدگمانی ہے۔

پاسبان اور اس کے فنڈز کے بارے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے اسے متعین کرنے کے بجائے آپ نے "کئی قسم کی باتیں" کہنے پر اکتفا کیا ہے ' اس لیے میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں ان باتوں کی تردید یا تصدیق کر سکوں۔ ہاں ' میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ابھی تک پاسبان کو کوئی فنڈ جماعت کے مرکزی بیت المال سے فراہم نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ پاسبان کو فنڈز کی فراہمی بیت المال سے کرنے میں کوئی امر مانع ہے ' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاسبان کی جو اسکیم مرکزی شوریٰ نے منظور کی تھی' اس میں یہ بھی پیش نظر تھا کہ پاسبان مالی طور پر خود کفیل ہو ' اپنے وسائل خود فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو ' اور وہ بیت المال پر بار نہ بنے۔ لیکن کیونکہ پاسبان مرکزی شوریٰ ہی کی قائم کردہ ایک تنظیم ہے ' اس لیے اگر تحریکی مفاد میں امیر جماعت ' مالیاتی کمیٹی یا مرکزی شوریٰ اس کو بیت المال کے عمومی فنڈز سے کوئی رقم فراہم کرے تو اس پر کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

آپ کا یہ تاثر کہ پہلے کبھی بھی اس قسم کی باتیں سننے میں نہیں آتی تھیں ' اس کی ایک وجہ انسانی حافظہ کی کمزوری ہے۔ آج سے ۳۵ سال پہلے ' ۱۹۵۷ کے بعد جو گروہ جماعت سے الگ ہوا تھا اس کا ایک بہت بڑا الزام یہی تھا کہ " نظامِ مالیات بھی از سر تا پا تبدیل ہو چکا ہے . . . خرچ میں اب وہ احتیاط اور بیت المال کے بارے میں اب وہ احساسِ ذمہ داری بھی باقی نہیں رہا کہ جو دورِ اوّل میں تھا"۔ اور دور جایئے تو اسلام کے صدرِ اوّل میں ' اس ذات کے بارے میں جو امین اور معصوم عن الخطا تھی (صلی اللہ علیہ وسلم) خود قرآن کی یہ شہادت موجود ہے کہ **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ** "ان میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراضات کرتے ہیں" (التوبہ) ہم لوگ تو خطا کار بھی ہیں ' اور اس ذاتؐ کی خاکِ پا کے بھی برابر نہیں۔

اگر آپ ' اور جماعت کے تمام متعلقین ' اس اصول کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جس طرح شراب ' سود اور زنا منع اور حرام ہیں ' اسی طرح بدظنی ' بہتان ' بلا تحقیق باتوں کا نقل کرنا ' اور غیبت کرنا بھی منع اور حرام ہیں اور جس بات کو الزام لگانے والا ثابت نہ کر سکے وہ بہتان یا قذف کے علاوہ اور کچھ نہیں ' اور اس کو منہ سے نکالنے پر بھی ایک اسلامی معاشرہ میں وہ حد و تعزیر کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پھر ایسی مبہم گفتگوئیں کہ جماعت وہ جماعت نہیں رہی ' اب امانت و دیانت کا وہ معیار نہیں رہا ' ہمز ' لمز ' اور **هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ** کی تعریف میں بھی آتی ہیں۔

ان چیزوں کا سلسلہ اس وقت ختم ہو سکتا ہے جب لوگ یہ باتیں سنتے ہی ' ذمہ دارانِ جماعت

کو مسئول بنا کر تحقیق و تفتیش اور مطعون کرنے کے بجائے ' بات کہنے والے سے متعین بات اور متعین ثبوت طلب کریں۔ اور وہ فراہم نہ کر سکے تو نہ صرف یہ کہ اس کی بات کو دل میں جگہ نہ دیں ' بلکہ اس کو تذکیر بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطان کے پھندوں سے اور خود اپنے نفس کے شر سے محفوظ رکھے۔ (خرم مراد)

دعاءِ ختم القرآن

ہندو پاک میں چھپنے والے قرآنِ حکیم کے نسخوں میں سورۂ " الناس " کے بعد بالعموم یہ دعا درج کی جاتی ہے :

" اللھم انس وحشتی فی قبری . . . الخ "

عرب ممالک کے مطبوعہ مصاحف میں یہ دعا درج نہیں کی جاتی اور احادیث' روایات اور آثار میں بھی کہیں اس کا تذکرہ نہیں ہے کہ خیر القرون کے مصاحف میں اس دعا کو درج کیا جاتا ہو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس دعا کا التزام ہندوپاک میں عرصہ دراز سے کیوں کیا جا رہا ہے؟ پاکستان میں طبع شدہ مصاحف جو حرمِ کعبہ میں رکھے جاتے ہیں ان میں یہ دعا درج نہیں کی جاتی۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنے ملک میں چھپنے والے قرآنی نسخوں کے آخر سے بھی اس دعا کو مٹا دیا جائے؟

دعا کے لیے ضروری نہیں کہ الفاظ ماثورہ پر مشتمل ہو۔ قرآن پاک کے آخر میں جو دعا دعاءِ ختم القرآن کے نام سے لکھی گئی ہے وہ پوری کی پوری تو کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے لیکن اس کے اجزاء مختلف احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ اس لیے اس کا قرآنِ پاک کے اختتام پر قرآن پاک سے علیحدہ کر کے چھاپ دینا جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس میں کوئی لفظ غیر مشروع نہیں ہے۔ نہ ہی اس میں کسی حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے نہ ہی کسی کے نزدیک اس دعا کا پڑھنا مسنون ہے۔ قرآن پاک کے ناشرین میں سے کوئی بھی ناشر ایسا نہیں لکھتا کہ یہ دعا حدیث میں آئی ہے اور اس کا پڑھنا مسنون ہے۔ اس لیے کنز العمال کی جس روایت کو لے کر اس پر جرح کی گئی ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہونے کے باوجود مسئلہ سے غیر متعلق ہے۔ اسی بناء پر اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ اس دعا کو قرآنِ پاک کے اختتام پر ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں عرب میں طبع کیے جانے والے مصاحف کا ذکر کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ عمل کوئی حجت شرعیہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(عبدالمالک)